ڈاکٹر محمد ریاض

چوہدری محمد حسین مرحوم ،
اقبال دوست اور اقبال شناس

علامہ اقبال رح کی کسی کتاب کو دیکھیں ، صفحہ اوّل کے اندر یہ عبارت لکھی ہوئی دکھائی دے گی : ''زیر نگرانی چوہدری محمد حسین ، ایم ۔ اے ۔'' ۱۹۷۳ میں جناب ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ مرحوم کے کلام کے اُردو اور فارسی کلیات دیدہ زیب صورت میں اپنی نگرانی میں طبع کروانے اور اس ضمن میں مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی معاونت کا اعتراف کیا ۔[1] ان مجموعوں میں مندرجہ بالا عبارت نظر نہیں آتی ، مگر ظاہر ہے کہ ان کلیات یا تہران میں طبع شدہ فارسی کلیات[2] کی اساس بھی ان ہی مجموعوں پر ہے جو چوہدری مرحوم کی زیر نگرانی لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو چکے ہیں ۔ اقبال کی زندگی کے آخری بیس سالوں میں جو حضرات ان سے ملتے گئے ، ان کی اکثریت نے علامہ کے ہاں چوہدری موصوف کی موجودگی کا ذکر کیا ہے ۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ کو علامہ نے اپنے صغیر سن بچوں ، جاوید اور منیرہ بانو کی ذات اور جائداد کے لیے جن چار افراد کو ولی مقرر کیا ، چوہدری مرحوم ان میں سے ایک تھے[3] ۔ آپ نے وصیتِ اقبال پر عمل کروانے کے ضمن میں باقی حضرات کے ساتھ جس خوش اسلوبی سے تعاون کیا ، اس کی مثال دورِ حاضر میں

۱۔ اُردو کلیات میں ''ضربِ کلیم'' کے یہ افتتاحی اشعار نامعلوم کیوں حذف ہو گئے ؟—

نہیں مقام کی خوگر طبیعتِ آزاد — ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے — خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

۲۔ طبع اول ۱۹۶۳ ، طبع دوم ۱۹۷۲ ، باضافات ۔ مقدمہ نگار ، احمد سروش فوت ہو گئے ہیں ۔

۳۔ باقی حضرات حکیم طاہر دین ، خواجہ عبدالغنی اور شیخ اعجاز احمد تھے ۔

بمشکل ہی مل سکے گی ۔ علامہ مغفور کی وفات کے چند ماہ بعد آپ نے ''ارمغان حجاز'' کی اشاعت کا اہتمام کیا ، مزار اقبال کی تعمیر کے لیے اپنی خاص توجہ و سعی مبذول رکھی اور سنٹرل اقبال کمیٹی نیز دیگر اداروں کے ذریعے ، پیغام اقبال کی تفہیم و تسہیل کی خاطر اپنی مخلصانہ کوششیں جاری رکھیں ۔ اس اقبال دوستی کے علاوہ ان کے مقالات مظہر ہیں کہ وہ بالغ نظر اقبال شناسا بھی تھے اور اس خاطر لائق قدردانی ہیں ۔

چوہدری محمد حسین کو اقبال کی طویل صحبتیں میسر رہیں ۔ علامہ کا ایک ایک شعر ان کے ذریعے پریس جاتا رہا ۔ ''پیام مشرق'' کے پرمغز دیباچے کے آخر میں اقبال نے چوہدری مرحوم کے تسوید اوراق کے لیے کوشش کرنے کا خصوصی شکریہ ادا فرمایا ہے ۔ بعد کے سالوں میں دونوں کے روابط اس قدر قریبی ہو گئے تھے کہ ادائے تشکر غیر ضروری اور لرا تکلف ہوتا ۔[۴] جاوید کے ساتھ علامہ نے جو سرہند شریف کا سفر اختیار کیا ، اس میں مسافر سوم چوہدری مرحوم ہی تھے ۔ علامہ کے معروف فلسفیانہ لکچرز کے دوران بھی چوہدری موصوف نے جنوبی ہند تک ان کی معیت کی تھی ۔ سفر و حضر کے اس ساتھ نے چوہدری صاحب کو کلام اقبال کے سیاق و سباق کا غیر معمولی شناسا بنا دیا تھا ۔ وہ مصنف کے سوز دل اور اس کے بظاہر غیر مرئی اشارات کے دانا تھے ۔ مندرجہ ذیل شعر میں ''درویشی'' سے گاندھی جی کی سیاست اور ''سلطانی'' سے پنجاب میں سر سکندر حیات کی یونینسٹ حکومت ، شاعر کے حوالے سے ، استنباط کرنا ، چوہدری مرحوم کی علامہ دانی کی ایک مثال ہے :

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے ، سلطانی بھی عیاری

مختصر حالات زندگی ۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے ایک مقالے کے بموجب ،[۵] چوہدری محمد حسین ۸ مارچ ۱۸۹۴ کو پسرور (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے ۔ اُردو ، فارسی اور عربی کے فاضل تھے ۔ عربی میں ایم ۔ اے ۔ کی سند رکھتے تھے ۔ قرآن مجید ، احادیث اور اسلامی اصول فقہ کا اُنھوں نے بنظر غائر مطالعہ کیا

۴۔ مثنوی ''بندگی نامہ'' (''زبور عجم'') میں مندرجہ ذیل شعر کے حذف چاپ اول کی خاطر دیکھیے مرحوم کا نوٹ :

علم حاضر پیش آفل در سجود　　شک بیفزود و یقین از دل ربود

۵۔ ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور ، ۲۱ اپریل ۱۹۵۷ ، دوبارہ مشمولہ ''مئے لالہ فام'' ۔

تھا ۔ بڑے دین دار اور صاحب دل شخص تھے ۔ زندہ دلی اور ظرافتِ طبعی اس پر مزید تھی ۔ شاعر تھے اور اکبر الہ آبادیؒ مرحوم کے رنگ میں ظریفانہ اشعار کہتے رہے ۔ روزنامہ ''الاثر'' اور ''زمیندار'' میں ان کی غزلیں اور منظومات شائع ہوتی رہیں ۔ مگر اقبال کے کہنے پر اُنھوں نے مشغلۂ شاعری کو یکسر ترک کر دیا تھا ۔ علامہ کا مشورہ یہ تھا کہ شاعری میں ان کا رنگ جم نہ سکے گا ۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے طبع آزمائی سے صرف نظر کر لیا ۔

۱۹۱۷ سے چند سالوں تک چوہدری موصوف نواب ذوالفقار علی خاں کے بچوں کے اتالیق رہے ۔ نواب مرحوم چونکہ علامہ کے قدر دان دوست تھے ، اس لیے چوہدری صاحب کے لیے وسیلۂ تعارف ہاتھ آیا اور یہ تعارف ، طبائع کی قربت اور یکسانی کی بنا پر ، مخلصانہ دوستی پر منتج ہوا ۔ ''بانگ درا'' کا ایک نسخہ پیش کرتے وقت علامہ اقبال نے چوہدری صاحب کے لیے ایک شعر لکھا تھا جو اب ''زبور عجم'' کی ایک غزل کا مطلع ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں دوستیِ محمد حسین ''مقامِ رضا'' کے مصداق تھی ۔ سبحان اللہ :

برون کشید ز پیچاک ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ ''مقام رضا'' گشود مرا

چوہدری موصوف کا مدتوں تک انجمن حمایت اسلام لاہور سے تعلق رہا اور اس کے زنانہ کالج کے وہ آنریری سیکرٹری بھی رہے ۔

۱۹۲۶ میں وہ پنجاب سول سیکریٹریٹ کی پریس برانچ میں ملازم ہوئے ۔ یہاں اُنھوں نے اتنی ترقی کی کہ برانچ کے مختار اعلیٰ بنے اور خان و خان بہادر کے خطابات بھی ملے ۔ وہ ''ادب برائے زندگی'' کے اُس نظریے کے شدت سے قائل تھے جسے اقبال نے بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ سعادت حسن منٹو کے کئی ''ادب برائے ادب'' افسانے جن رسالوں میں چھپے ، چوہدری صاحب نے وہ رسالے ضبط کرا دیے تھے ۔ چوہدری موصوف اقبال پر بے ہدف تحقیقات و توضیحات کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے ۔

چوہدری محمد حسین کا علامہ کی زندگی کے آخری بیس سالوں میں یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ بلا ناغہ مجلسِ اقبال میں حاضری دیتے رہے ۔ وہ دیگر احباب اور ارادت مندوں کے چلے جانے کے بعد بھی دیر تک علامہ کے پاس بیٹھے رہتے ۔ علامہ کا تازہ کلام سنتے اور مختلف مسائل پر دوستانہ انداز میں تبادلۂ خیال فرماتے ۔ بے تکلفی کی بنا پر چوہدری صاحب علامہ کی محفلوں میں کھل کر قہقہہ لگاتے مگر شاعرِ مشرق کی وفات کا غم دیکھیے کہ پھر کسی نے اُنھیں

مسکراتے بھی نہ دیکھا ۔ بے تکلفی کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال اپنی بیماری کے زمانے میں چوہدری صاحب کے لیے لذیذ اور مرغن کھانے پکواتے، اُنھیں پاس بٹھا کر کھلواتے اور محظوظ ہوتے۔ چوہدری ممدوح ۱۶ جولائی ۱۹۵۰ کو ستاون برس کی عمر میں انتقال فرما گئے ۔ پسماندگان میں ان کی چھ بیٹیاں اور تین بیٹے رہے ۔

اقبال شناس ۔ علامہ اقبال کی تین فارسی کتب ''اسرارِ خودی''، ''زبورِ عجم'' اور ''جاوید نامہ'' کے تعارف میں چوہدری محمد حسین کے تین مضامین ہمارے پیش نظر ہیں ۔ یہ مضامین، خصوصاً آخری دو، اقبال شناسی کا شاہکار کہے جا سکتے ہیں ۔ یہ مذکورہ کتب کی اشاعت کے کچھ دن بعد لکھے اور چھپوائے گئے، اور اشاعت سے قبل، ان کے محتویات علامہ کو ضرور معلوم ہوئے ہوں گے ۔۔ بلکہ بین السطور میں جگہ جگہ فیضِ اقبال جھلکتا ہے۔ معاصرانہ چشمک سے توبہ! چوہدری مرحوم کے مخالفین ان مضامین کی عظمت کے منکر نہ ہو سکتے تھے، مشہور کر دیا کہ یہ خود علامہ نے لکھوائے تھے ۔ ہمارے خیال میں جس شخص کو علامہ نے معتمد اور بے تکلف دوست بنایا، اور جو ان کی اولاد کا شفیق محسن بنا، اس پر بے کفایتی اور نا اہلی کے الزامات تراشنا، سوء ادبی اور کور ذوقی کی دلیل ہے ۔ یہ مضامین اور دیگر لائقِ اعتنا تحریریں چوہدری مرحوم کی اپنی ہیں اور اُنھیں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی سند قبولیت حاصل ہے ۔

''اسرار خودی اہل مغرب کی نظر میں'' ایک مختصر مضمون ہے[۶] اور غالباً ۱۹۲۱ کے اواخر میں لکھا گیا ۔ مضمون نگار نے پہلے اقبال کے غیر معمولی نبوغ، مؤثر شخصیت، خودی و بے خودی کے انقلابی پیغام اور خواجہ حافظ شیرازی پر انتقاد کے ادبی اسلوب کی حقیقت پر روشنی ڈالی ۔ ازاں بہ بعد امریکی فاضل نقاد، ادیب اور فلسفی ہربرٹ ریڈ کے ''اسرار خودی'' پر ایک تبصرہ، مطبوعہ اخبار ''نیو ایج'' (*New Age*) امریکہ مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۲۱ کے اقتباسات نقل کیے ہیں ۔ آخر میں پروفیسر نکلسن کے ترجمہ ''اسرار خودی'' کا ذکر ملتا ہے جس میں فاضل مترجم اس مثنوی کی انقلابی شان کے بارے میں رطب اللسان ہے ۔

ایک امریکی نقاد مسٹر لارنس نے عظیم امریکی فلسفی شاعر وٹمین کے

۶۔ محمد عبداللہ قریشی، ماہ نامہ ''ادبی دنیا''، لاہور، ۱۹۶۷، ''اقبال نمبر'' شمارہ ۴ ۔ ۳

بارے میں کلماتِ احسنت کہے تھے ۔ ہربرٹ ریڈ تبصرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ، ''اسرارِ خودی'' کے انگریزی ترجمے کے حوالے سے ، اقبال کی فکری برتری کا اثبات کرتا ہے ۔ چوہدری صاحب کے مضمون کا لبِ لباب یہ ہے کہ زندہ قوموں نے اقبال کے پیغامِ حیات پر لبیک کہا اور اسے بے چون و چرا ایک مبتکر مفکر مان لیا مگر برصغیر کے غلام اور تغافل شعار افراد مدتوں سے اس مثنوی کے بعض مطالب کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں ۔ خواجہ حافظ کے کلام پر ایک ادبی انتقادی بحث کا سلسلہ ناقابلِ اختتام بنا رہا اور اصل مطالب کی طرف سے چشم پوشی کی جاتی رہی ۔ چوہدری مرحوم فرماتے ہیں کہ دستِ قدرت نے اقبال ایسے نابغہ کو مسیح بنا کر اس لیے برصغیر بھیجا کہ یہاں کے باشندے ، خصوصاً مسلمان ، اس کے پیغام سے حیاتِ نو حاصل کریں ۔ غیر معمولی افراد کا سوزِ نفس معمولی چیز نہیں ہے[7] پورے مشرق کو بالعموم اور عالمِ اسلام کو بالخصوص ، ''اسرارِ خودی'' کے ''درسِ خود شناسی'' کی قدر کرنا چاہیے تھی مگر یہاں تو چراغ تلے اندھیرے والی مثل سامنے آتی ہے ۔ دورِ زوال میں قومیں خوب و ناخوب کی تمیز سے بے بہرہ ہو جاتی ہیں ۔[8] چنانچہ :

''ہمارے نقاد ، مثنوی اسرارِ خودی کی کسی ایک خوبی کو آج تک پورے طور پر واضح نہ کر سکے ۔ اس کے مطالب و معانی کا کماحقہٗ ادراک نہ کر سکے ۔ یہ نہ جان سکے کہ سلسلۂ خیالات کس ربط و ضبط کے ساتھ زمین پر مرکز گیر ہوئے اور کس قوت و اعجاز کے ساتھ فضائے بسیط میں توسعہ پذیر ہوئے ۔ اُنھوں نے علمِ ادب کی حقیقت سے اپنے بے بہرہ ہونے کا ثبوت اس طرح دیا کہ اسرارِ خودی میں خواجہ حافظؒ پر ایک ادبی انتقاد کو اُنھوں نے خواجہ موصوف کی بزرگی پر حملہ سمجھا ۔ یوں وہ ادب اور انتقاد سے در ماندہ رہے اور خودشناسی سے مراحل دور جا پڑے ۔''

ہربرٹ ریڈ کو اقبال کے فرد و معاشرے کے بارے میں معتدل خیالات ، جن کا ذکر نکلسن نے ''اسرارِ خودی'' کے دیباچے میں ''اسرار و رموز'' کے حوالے سے کیا ہے ، بے حد پسند تھے ۔ وہ لکھتا ہے کہ نٹشے الہٰی کا فوق البشر کا تصور ، معاشرے سے دوری اختیار کرنے کی تعلیم ہے ۔ وٹمین امریکی کی لفظی

۷۔ متاعِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے ؟ (اقبال)

۸۔ تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر (اقبال)

صنعت گری دل آویز ہے مگر معانی ندارد ۔ اس کی تحریریں ابدی حقائق سے محروم ہیں ۔ اقبال نے لفظ و معنی میں تعادل و توازن پیش کیا ۔ اس کا ''انسانِ کامل'' پوری انسانیت کا راہنما ہے اور ہمدرد و دل سوز بھی ۔ اقبال کے خیالات میں تصوریت سے زیادہ عملیت ہے اور عالمِ اسلامی کو ایسے مفکر کی ضرورت ہے جو انسانیت دوست ہو اور عملی دنیا سے سروکار رکھتا ہو ۔ چوہدری محمد حسین فرماتے ہیں کہ کاش اقوامِ مشرق بھی غربیوں کی مانند ''اسرارِ خودی'' کے مطالب کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔

دوسرا مضمون ۔ ''زبورِ عجم'' پر چوہدری محمد حسین کا بصیرت افروز مضمون اس کتاب کی اشاعت کے زمانے میں ۱۷ جولائی ۱۹۲۷ کے روزنامہ ''انقلاب'' کی اشاعتِ خاص میں چھپا اور اسے دوبارہ منصۂ شہود پر لانے کا فخر جناب محمد عبداللہ قریشی کو حاصل ہے ۔ مضمون کا سرنامہ اقبال کا مضمون نگار سے یہ ارشاد ہے کہ ''کاش گوئٹے نے زبورِ عجم[۹] کو پڑھا ہوتا ۔'' مقالے کے ابتدائیے میں چوہدری مرحوم اس امر کا افسوس کرتے ہیں کہ بعض لوگ اقبال کے اشعار تو بڑی ارادت سے پڑھتے نظر آتے ہیں مگر ان کے معانی کو جاننے اور اس طرح اپنی شخصیت میں انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت سے غافل ہیں ۔ اس کے برعکس مداحینِ اقبال کا ایک ایسا گروہ موجود ہے جس نے کلامِ اقبال پڑھا ہی نہیں ۔ ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک فاضل اقبال کا مندرجہ ذیل شعر بڑے پرسوز لہجے میں پڑھ رہا تھا :

اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا بن جائے گی

چوہدری صاحب نے بغرضِ اطلاع شعر کے معانی پر تبادلۂ خیال کرنا چاہا تو وہ بولا : ''اس پہلو پر میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا ۔'' اسی طرح فضلا کی ایک جماعت علامہ کے دولت کدہ پر ان سے ملاقات کرنے گئی ۔ دورانِ گفتگو شاعرِ مشرق نے ایک شعر پڑھا کہ :

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت تا چراغِ یک محمد بر فروخت

اس جماعت کا فاضل ترین شخص بولا : ''ڈاکٹر صاحب ، اتنا عمدہ شعر کس نے کہا ہے ؟'' معلوم ہوا ان مداحانِ اقبال نے ہنوز ''اسرارِ خودی'' کا ابتدائی حصہ

۹۔ ''بالِ جبریل'' میں ہے (ص ۵۹) :

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم
نوائے نیم شبی بے نوائے راز نہیں

بھی نہیں پڑھا تھا ۔

تمہید کے بعد چوہدری صاحب لکھتے ہیں :

''اقبال شاعری کی منزل سے گزر چکے[10] اور ایک پیغام کے امین بن گئے ہیں ۔ اس پیغام کے مخاطب برصغیر کے مسلمان ، یہاں کے عام باشندے اور دنیا بھر کے انسان ہیں ۔ شاعرِ مشرق کی مخاطبِ اوّل مسلمانوں کی انحطاط یافتہ قوم ہے ۔ اس پر زوال کی صدیاں بیت گئیں ۔ اس لیے جس قدر سرعت سے دوسری قومیں زندہ ہوئیں ، مثلاً لیسنگ ، ہرڈر ، شلر اور گوئٹے کے پیغام سے جرمنوں کا احیا ، اس طرح اس قوم کے علی الفور بیدار و زندہ ہونے کی امید نہیں ہے ۔ اقبال اسی لیے اپنے پیغام کو نت نئے اسالیب کے ساتھ پیش کر رہے ہیں ۔ ان کی کوشش ہے کہ کسی اسلوبِ بیان اور صنفِ شاعری کے دلدادہ افراد اسے پڑھیں ۔ اس کتاب کے ذریعے اقبال نے عجمی اقوام کو حقیقی اسلام اور حریتِ واقعی کا پیغام دیا ، اس لیے 'زبور' (ٹکڑے) حضرت داؤد[4] کو ملنے والی الہامی کتاب کا آسمانی نام لے کر اسے 'زبورِ عجم' موسوم کیا ہے اور دعا فرمائی :

خاکم بنورِ نغمہ داؤد[4] بر فروز ہر ذرۂ مرا پر و بالِ شرر بدہ

''۔ ۔ ۔ ان دو مثنویوں کو چھوڑ کر جن میں سے ایک 'گلشنِ رازِ جدید' اسرارِ حیاتِ فرد کی نئے انداز کی تعلیم سے ، 'اسرارِ خودی' کی یاد تازہ کرتی ہے اور دوسری 'بندگی نامہ' جو محکومیت کی لعنتوں کے ذکر سے خائف و لرزاں ہونے پر مجبور کرتی ہے ۔ 'زبورِ عجم' کے پہلے حصوں میں ایسی نظمیں موجود ہیں جو مشرقِ غلام کی بیداری کے لیے لکھی گئی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر نے کتاب کا نام سوچا تو زبور کے ساتھ عجم کا لفظ خود بخود دل پر نازل ہوگیا ۔ گوئٹے کے 'سلامِ مغرب' کا جواب 'پیامِ مشرق' تھی ۔ 'زبورِ عجم' جہاں پیامِ عجم ہے وہاں زبور بھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پہلے حصے میں یہ کتاب دنیا کے سامنے دینِ حق کی اصولی بنیادیں پیش کرتی ہے ۔ دوسرے حصے 'گلشنِ رازِ جدید' میں حیاتِ انسانی اور حیاتِ عامہ کے نئے فلسفے کی خبر دیتی ہے ۔ 'بندگی نامہ' کتاب کے تیسرے حصے میں ہمیں وہ صحیح اصولِ انتقاد ہاتھ لگتے ہیں جن کی مدد سے فنونِ لطیفہ کو پرکھنا اور ان کے حسن و قبح پر نظر ڈالنا ضروری ہے ۔ مجموعی طور پر 'زبورِ عجم' عجم کے موجودہ بدنصیب ، بدحال ، اخلاق اور اقتصادی فسادات میں محصور افراد کا مرقع ہے اور ان کے لیے درس بیداری ۔ ۔ ۔ ۔''

۱۰۔ دیکھیے مثنوی ''گلشنِ رازِ جدید'' (''زبورِ عجم'') کی تمہید میں اقبال کی آراء ۔

بحث کے دوران چوہدری موصوف نے لکھا :

"اقبال کا داؤد ، اس کا خلیل اور اس کا کلیم ہم معنی الفاظ ہیں اور کسی منتظر ہستی کے مختلف کرشمہ ہائے حیات کے نام ہیں - یہ مختلف کرشمے فردِ واحد میں جلال و جمال ہو کر نظر آئیں اور اس کی جبیں کو نورانی اور 'پرہیبت انوار دیں ، تو اسے مہدی کہا جائے جو اقبال کا 'مردِ کامل' ہے - اقبال نے تابع مہدیؑ مردِ کامل کے بے تابانہ انتظار کا اظہار اپنے کلام میں ایک نہیں ، بیسیوں جگہ کیا ہے اور اس کے لیے سینکڑوں پیرایہ ہائے بیان اختیار کیے ہیں - اقبال کا چنگیز ، اس کا محمود و تیمور بھی مردان منتظر نظر آتے ہیں مگر ان میں 'مردِ کامل' کے ظلال کہاں ؟ - - - جس طرح رات کے بعد سورج کا طلوع ہونا ضروری ہے ، اس طرح اقبال کی نظر میں مرد منتظر کی آمد بھی یقینی ہے - کبھی وہ سوچتا ہے کہ وہ خود اس مرد منتظر کا نقیب اور پیش تاز ہے - وہ اس کے 'پرشکوہ کاروان کا حدی خوان ہے - 'جوانانِ عجم' کو خطاب کر کے وہ اپنی اس نقیبانہ شان کو الم نشرح فرماتا ہے :

چون چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما　　　اے جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما !

" - - - وہ ان کے حالات کی بہبودی اور وہاں بھی کسی مردِ منتظر کے گزر کی پیش بینی کرتا ہے :

می رسد مردی کہ زنجیرِ غلامان بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

" - - - مقطع میں اعتراف کرتا ہے کہ میرے خیالات بزرگان عجم کی تعلیات کا 'عصارہ ہیں - وہ اجنبی ہے نہ اجنبیوں سے مخاطب ہے - جوانانِ عجم اگر اقبال کو پہچانیں گے تو اپنے ماضی سے لو لگائیں گے :

حلقہ گرد من زنید ای پیکرانِ آب و گل　　　آتشی در سینہ دارم ، از نیاکانِ شما

مگر بحالت موجودہ ، عجم کے بے جان زندہ ، شاعر کے الفاظ میں پیکران آب و گل ، اقبال کی دعوتِ حریت پر بمشکل ہی لبیک کہ سکیں گے - - - "

اقبال شاعرِ مشرق ہیں اور شاعرِ عالم بھی - چوہدری صاحب فرماتے ہیں :

"ان کی کتاب 'پیامِ مشرق' کے نام کی محدودیت پر بعض احباب نے تبادلہ خیال کیا تو اقبال نے اپنے مطمحِ نظر کی وسعت کے اظہار کی خاطر سورۂ بقرہ کی آیۂ مبارکہ کے ایک حصے 'للہ المشرق والمغرب' کو سرورق پر لکھوا دیا - کتاب کے محتویات مظہر ہیں کہ شاعر کا خطاب جہانی ہے - اُسے چہار سوئے عالم سے انس ہے - مگر چونکہ سرزمینِ مشرق ، سر دست عقب ماندہ اور محکوم و مظلوم ہے ، اس

خاطر شاعرِ داعی کے لیے لازم تھا کہ وہ کمزوروں کی ہم نوائی کرتا[۱۱] اور ظالموں کو کھری کھری سناتا ۔ اقبال نے یہی کام کیا ۔ اسی خاطر 'پیامِ مشرق' یا 'زبورِ عجم' کے ناموں سے دو چار مغالطہ نہیں ہونا چاہیے :

''جو شخص انسانوں کی اصلاح کے لیے اُٹھے گا ، وہ فطرتاً سب سے پہلے محکوموں اور مغلوبوں کا اس خاطر طرف دار ہوگا کہ وہ مظلوم و مقہور ہیں ۔ داعی جاہلوں کی حمایت کرے گا کہ اُنھیں عاقل بنائے گا ۔ وہ کمزوروں کی طرف داری کرے گا کہ وہ قوی دستوں کے پنجوں سے نجات پا لیں ۔ اقبال اسی روش پر کام زن رہے ہیں ۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ان کی فکر کا ہر کرشمہ اسی کام کے لیے وقف رہا ہے ۔ وہ داعی خاص ہیں اور داعی عام بھی ۔ اس لیے ان کا کام بغایتِ مشکل اور صبر آزما ہے ۔''

''زبورِ عجم'' پر چوہدری مرحوم کا مضمون ، اقبال شناسی کے دلآویز نمونے پیش کرتا ہے ۔ فکر و فن کے کئی پہلوؤں کو مقالہ نگار نے سلجھایا اور سمجھایا ہے ۔ ہم ایک دو مختصر مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں ۔

''زبورِ عجم'' حصۂ اول کے سرورق پر اقبال نے ایک ہی شعر لکھا ہے :

ز برونِ در گذشتم ! ز درونِ خانہ گفتم !
سخن نگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم !

اس شعر کی توضیح میں ، مجلس اقبال کا یہ خوش قسمت فیض یاب کیا خوب لکھتا ہے :

''حریمِ حقائق ذات ، زائر نے دیکھا تو وہ بستہ نظر آیا ۔ اندر جانے کی اجازت نہ تھی ۔ متولیوں نے حریم حرم پر نہ صرف سیاہ غلاف چڑھا رکھے تھے ، بلکہ ہزار نیرنگیوں اور شعبدہ بازیوں کے ذریعے عام زائرین کو گمراہ کر رہے تھے ۔ وہ اصل مرکز سے توجہ ہٹاتے اور خوش رنگ پردوں پر لوگوں کی نظریں جما دیتے ۔ شاعرِ داعی کو حریمِ حرم سے گزرنے کا اتفاق ہوا ۔ اس کی نگاہِ تیز پردوں کو چیر[۱۲] کر اندر تک جا پہنچی اور دیکھا کہ متولی لوگوں کو بھول بھلیوں میں مبتلا کرتے ہوئے خود بھی حقیقتوں کو پہچاننا بھول گئے ۔ حقائق دیکھ کر وہ چپ نہ رہ سکا ۔ رازِ دروں کی باتیں کہنے لگ گیا ۔ متولیوں نے بڑی آنکھیں دکھائیں کہ افشائے راز نہ کرو مگر اُسے ان کے رعب داب اور احکام کی سختی کا کوئی لحاظ نہ رہا ۔ وہ کہنے لگا تو متولی حرم بھی مبہوت

۱۱- بجلالِ تو کہ در دل دگر آرزو ندارم
بجز این دعا کہ بخشی بکبوتران عقابی

۱۲- نگہِ بی ادب زد رخنہ ھا در چرخِ مینائی
دگر عالم بنا کن گر حجابی درمیان خواہی

ہو کر اس کے ہم نوا بن گئے ۔ قلندر کے نعروں نے سب کو ہمہ تن گوش اور بت بنا کر رکھ دیا ۔ پھر اس نے بے کانہ نغمے الاپے ۔ ۔ ۔ ۔ شاعر حیات ابدی کے انوار سے بصیرت کی دریوزہ گری کرتا اور اسرار نگفتہ کہتا ہے ۔ اُسے ہم جنسوں سے محبت ہے ۔ اس لیے اس کی آرزو ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا ، دوسرے بھی دیکھ لیں ۔۱۳ ذات مطلق کو اپنی جلوہ پاشیوں میں لذت ملتی ہے ۔ اس لیے قلندر مشرق کو بیان حقائق کی کھلی چھٹی مل گئی اور اس نے سب کچھ کہ ڈالا ۔ ۔ ۔ ۔ ''

اقبال کو مسئلہ زمان و مکاں سے بغایت دلچسپی تھی ، اگرچہ وہ اسے ساختہ و پرداختہ خرد جانتے تھے :

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری　　نہ ہے زماں نہ مکاں ، لا الہ الا اللہ

چوہدری موصوف نے اخباری مضمون کی تنگی کا شکوہ کرتے ہوئے بھی ، اقبال کے مندرجہ ذیل شعر کی روشنی میں فکر اقبال کے سیر زمان و مکاں کا جو نقشہ ترسیم کیا وہ بصیرت افروز ، معانی آفرین بلکہ اپنی مثال آپ کا مصداق ہے :

برون زین گنبد در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کز اندیشہ بر تر می پرد آہ سحر گاہے

ان کے مطالب کے ذیلی عناوین مندرجہ ذیل ہیں : خدا و انسان (عشق و دعوت) ، غزل و پیغام ، اقبال کی دعائیں اور ان کا ارتقا ، دین حقہ اور ایمان ، اقبال اور توحید حقیقی ، اصلاح و تزکیہ دل ، اقبال اور خدا (انداز ہائے محبت) ، شکوے شکایتیں ، حیات حقہ کا حصول ، اقبال اور حکمائے آسمان ، رومی و اقبال اور خاص تعلیمات اقبال ۔

اقبال کی فارسی غزل پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جائے گا مگر ''زبور عجم'' کے حوالے سے چوہدری محمد حسین کے چند جملے بھی دیکھ لیں :

''پیام تسلسل مضمون کا نام ہے اور غزل شکست تسلسل کا ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال صاحب پیغام ہے مگر اسے غزل کے ذریعے پیش کر کے اپنی فنکارانہ مہارت کا سکہ جما رہا ہے مگر ۔ ۔ ۔ زبور عجم کے ناظرین دیکھیں گے کہ جو ٹکڑے مکمل پیغام ہیں وہ زیادہ قافیوں کی تاب نہ لا سکے اور جہاں قافیے زیادہ آ گئے ، وہاں پیغام ٹکڑوں اور شذروں میں منقسم ہو کے رہ گیا ہے ۔ اقبال نے انتہائی کوشش کی ہے کہ غزل کو پیغام کے مرتبے تک جا پہنچائے ۔ یہ قابل صد آفرین کوشش ہے اور مشرق علم ادب کی تاریخ میں پہلی کوشش ہے ۔ آج سعدی ،

۱۳- محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے ، اوروں کو بھی دکھلا دے

حافظ ، عرفی ، نظیری ، صائب اور غالب زندہ ہوتے تو اپنے فن کو نقطۂ کمال تک پہنچا دیکھ کر مسرور ہوتے ، لیکن جب وہ دیکھتے کہ اقبال نے غزل کو پیغام تک لے آنے میں اسے بعض ضروری لوازم سے محروم کر دیا جیسے مطلع کہیں کہیں نہیں لکھتا ، مقطع کی تو پروا نہیں کرتا اور تعدادِ اشعار میں بالکل آزاد ہے تو غالباً وہ اقبال کی غزل کو کوئی نام دیتے جسے ہم پیش بینی[۱۴] نہیں کر سکتے ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ مضمون بتیس صفحات کا حامل ہے ۔

"**جاوید نامہ" پر ایک نظر** ۔ اس ذیلی عنوان پر چوہدری موصوف کا شاہکار اور اس کتاب کے شایانِ شان مضمون مجلۂ "نیرنگ خیال" کے معروف اقبال نمبر میں شائع ہوا اور بعد میں "شرح جاوید نامہ" مؤلفہ مولانا صبغۃ اللہ بختیاری ، "شرح جاوید نامہ" از یوسف سلیم چشتی اور کئی دیگر کتابوں میں کلاً یا جزواً نقل ہوتا رہا ۔ راقم الحروف نے اس کے ابتدائی حصے کا فارسی ترجمہ[۱۵] بھی شائع کروایا ہے ۔

"جاوید نامہ" معراج نامہ کے انداز کی ایک لازوال تصنیف ہے جسے علامہ مغفور نے ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۱ء کے تین سالہ عرصے میں مکمل فرمایا ۔ حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی روایاتِ معراج کے تتبع میں کئی عرفانی اور ادبی معراج نامے لکھے گئے ۔ ان میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) کی "فتوحات المکیہ" اور "کتاب التجلیات" ، شیخ بایزید بسطامیؒ (قرن سوم ھ کے عارف) کے بعض بیانات ، احمد قرطبی (م ۴۲۶ھ) کا رسالہ "التوابع و الزوابع" ، ابوالعلاء معری شامی (م ۴۴۹ھ) کا رسالہ "الغفران" ، حکیم سنائی غزنوی (م ۵۳۵ھ) کی مثنوی "سیر العباد الی المعاد" اور ڈینٹے اطالوی (م ۱۳۲۱ء) کی "ڈیوائن کمیڈی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ پروفیسر آسن ہسپانوی نے ، جن سے اقبال سفر اسپین کے دوران ملے تھے ، با دلائل ثابت کیا ہے کہ ڈینٹے ابن عربی کا خوشہ چیں رہا ہے ۔

چوہدری صاحب لکھتے ہیں :

" 'گلشن راز جدید' کی مانند ، اقبال علومِ حاضرہ کی روشنی میں 'معراج نامہ جدید' لکھنا چاہتے تھے مگر پروفیسر آسن کی تحقیقات[۱۶] نے انھیں

۱۴- ایرانیوں کی اصطلاح میں سبکِ اقبال ۔

۱۵- مجلہ دانشکدہ ادبیات ، مشہد ، زمستان ، ۱۳۵۱ ش ۔

۱۶- Asin Palacios Miguel, Tr. Harold Sutherland, *Islam and Divine Comedy*, London 1929 ۔

'جاوید نامہ' لکھنے کی طرف مائل کیا ۔ اس کتاب کے مطالب چونکہ دائمی نوعیت کے ہیں ، اور کتاب کے آخر ایک جداگانہ حصے میں شاعر مشرق نے اپنے فرزند جاوید اقبال سے 'خطاب بہ جاوید' (سخنے بہ نژاد نو) کے زیر عنوان خطاب فرمایا ، اس خاطر کتاب کا یہ نام رکھا گیا ہے ۔

"معراج کی روایات نے مختلف اسالیب اختیار کیے ۔ مشاہدۂ تجلی ذات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو ملا ، نہ مل سکتا ہے ۔ صوفیہ اور عرفا مثلاً بایزید بسطامی اور ابن عربی کی معراج ، روحانی مشاہدۂ تجلی ذات کا ذکر ہے ۔ ابو عامر احمد قرطبی اور ابوالعلاء معری کا بیان معراج ، ادبی اور فنی نوعیت کا ہے ۔ شہر زوری کا ایک قصیدہ 'سفر روح' جو ابن خلکان کی 'وفیات الاعیان' میں منقول ملتا ہے ، وہ بھی اسی نوعیت کا ہے ۔ 'ڈیوائن کمیڈی' معراج کی عارفانہ روایات سے اثر پذیر ہے مگر اس کا اسلوب از اول تا آخر ادبی ہے اگرچہ مصنف نے 'فتوحات المکیہ' کے تراجم کو پیش نظر رکھا تھا ۔ علامہ اقبال کا 'جاوید نامہ' بھی ادبی معراج نامہ ہے اور فارسی زبان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی اور اب تک آخری کتاب ہے ۔ یہ قوت خیال کا مظہر ہے نہ کہ واردات باطن اور مکاشفات روحانی کا ۔ اقبال نے ابن عربی اور ڈینٹے کے نمونے خاص طور پر سامنے رکھے ، اور احادیث معراج سے استفادہ کرتے ہوئے، اس کے تخیل نے کتاب میں فکر وفن کے ایسے لازوال نمونے پیش کر دیے جو کتب سابقہ میں مفقود تھے ۔ مثلاً : اقبال نے مشکل تمثیلات اور معنوی متاشبہات سے دامن بچائے رکھا ۔ اپنی سیاحت کو سات کے بجائے چھ افلاک تک محدود رکھا ۔ 'آنسوئے افلاک' کے حصے میں اہل عالم کو جنت ، حضور اور تجلی کے نئے مفاہیم سے نوازا اور ندائے جمال کے ذریعے 'سمیع الٰہی' کا فخر مؤدبانہ انداز میں حاصل فرمایا ۔ اعراف اور دوزخ کے قریب جانے کے بجائے ، اقبال نے غداران ملت و میہن کی خاطر ماورائے دوزخ ، قلزم خونین کا صحنہ قائم کیا ۔ ابن عربی اور ڈینٹے نے حیات اخروی اور یوم قیامت کے اثبات کے مباحث پیش کیے ، اقبال نے ان مسلمہ امور پر توجہ صرف نہ کی ۔

"اس کے نزدیک یہ بات اس قدر اہم نہیں کہ مرنے کے بعد بہشت ، دوزخ یا اعراف میں انسانوں کی زندگی کیسے ہوگی ۔ جس بات نے اس کو تمام عمر پیچ و اضطراب میں رکھا ، وہ یہ انسانی زندگی ہے جو اقوام مشرق کے لیے سیاسی و اقتصادی پستی کی بنا پر موت سے بدتر ہو چکی اور جسے اس کے پاکیزہ ارتقا کی ضرورتوں سے روک کر اہل مغرب دینی ، روحانی اور اخلاق تنزل کا شکار ہو گئے ۔ ۔ ۔ ۔ بقا و دوام حیات انسانی کے مباحث بس اشارہ کرتے ہیں کہ اقبال نے اس تصنیف کا نام 'جاوید نامہ' کیوں رکھا ۔ ۔ ۔ ۔"

اس مقدمے کے بعد چوہدری صاحب نے "جاوید نامہ" کے اہم مباحث کی بصیرت افروز انداز میں تلخیص و تفہیم پیش کر دی ہے ۔ فرماتے ہیں :

''فلک قمر سے قبل فلسفہ' معراج ہے اور اس کے بعد معراجِ شاعر۔ محی الدین ابن عربی اور ڈینٹے دونوں کا آغازِ سیاحت ایک پہاڑ کے قرب سے ہوا۔ اتفاق ہے کہ اقبال کے سامنے بھی رومی کی راہنمائی فرما ، ایک پہاڑ کے عقب ، سے نمودار ہوتی ہے :

"روحِ رومی پردہ ہا را بر درید از پسِ کُہ پارہ ٴ می آمد پدید"

''جاوید نامے'' کی بعض توضیحات جو چوہدری محمد حسین نے بڑی سادگی سے بیان کیں ، کتنے قارئین کی نظر سے نہ گزری ہوں گی ۔ امثلہ بہت ہو گئیں ۔ پھر بھی چند جملے نقل کرنے کو جی چاہتا ہے :

''وادی یرغمید ۔ ۔ ۔ ۔ کا نام فرشتوں کی زبان میں وادیِ طواسین ہے ۔ حسین منصور حلاج کی تالیف کتاب الطواسین فرانس میں طبع ہو چکی ہے ۔ اس کی جدت کا کمال تھا کہ کتاب کے حصص یا ابواب کو طٰسٓ کی جمع طواسین کا نام دیا ۔ طٰسٓ قرآن مجید کی ایک سورہ کا نام ہے اور یہ حروفِ مقطعات بھی ہیں ۔ پس طواسین ، الواح یا منازل یا ابواب یا فصول کی جگہ لایا ہے ۔ وادی میں پیغامبران کرام سے بالمشافہ گفتگو مانع ادب تھا ۔ اس خاطر اقبال نے گفتگو کرنے کے بجائے ان کی تعلیمات کو الواحِ کوہ قمر پر مرتسم دکھانا مناسب جانا اور ان کے ذریعے چار رسولوں کی تعلیمات کے کلیات واضح کر دیے ۔ ۔ ۔ ۔

''فلک مشتری پر ۔ ۔ ۔ ۔ میرزا غالب سے ان کے ایک اُردو شعر کے ، اُسے فارسی میں بدل کر ، معانی پوچھے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس شعر کے مفہوم پر بعض ادبی رسائل و کتب میں عرصہ ہوا بحث چھڑی تھی جسے شاعر نے پڑھا ، مثلاً معارف کے کسی شمارے میں ایک صاحب کا مضمون ۔ اس سے شاعر نے شعر کی تشریح خود غالب کے فرمودات کی روشنی میں 'جاوید نامہ' میں لکھنا مناسب جانا ۔ ۔ ۔ ۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق و اسرار پر بحث بھی غالب کے تضمین شدہ شعر کی روشنی میں لکھی گئی ، مگر پردۂ اسرار کو یہاں حسین منصور حلاج کی کتاب الطواسین چاک کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔''

چوہدری محمد حسین کے ان مضامین[۱۷] کو اگر ایڈٹ کر کے جدید اسلوب کے مطابق یک جا کر دیا جائے ، تو یہ ان کی اقبال دوستی اور اقبال شناسی کو خراجِ تحسین ہو گا اور تفہیمِ اقبالیات کی خاطر ایک مبارک کوشش بھی ۔

۱۷- آخری مضمون پچپن مطبوعہ صفحات کا حامل ہے ۔